ڈاکٹر محمد ساجد خان

استاد، شعبہ اُردو،
جامعہ کراچی

کلامِ میراجی کی فکری جہات

ABSTRACT

Intelectual Dimension of Meeraji`s Poetry.

By: Dr. Muhammad Sajid Khan, Assistant Professor, Department of Urdu, University of Karachi.

Meera Ji is considered among those important poets whose impact has given a new dimension to Urdu poetry that could be seen even today in the 21st century Unfortunately, the studies carried out about such a trendsetting and important poets have largely discussed his uneven life and living style. Hence, it is important to explore those theoretical discussions and scenarios that Meera Ji has gone through so that we can understand and make ourselves aware of Meera Ji's approach. This study is among the initial efforts to bridge this gap. Meera Ji has experimented with diverse aspects of poetry, a discerning review of its implied sense gives us access to the intense feelings of not only an individual but of the entire society. Hence, this new literary scenario that emerges along with progressive writers movement is the basic link that cannot be ignored. This important point has been discussed in this paper.

ادب کے نقاد اور عام قاری ہر ایک نے میرا جی کے فکر و فن سے زیادہ ان کے ناہموار رویے، شخصیت سے جڑے عجیب و غریب واقعات اور طرزِ بود و باش پر اپنی توانائیاں زیادہ خرچ کی ہیں۔ اس عمومی رجحان کے باعث فن سے متعلق سنجیدہ مطالعے اور اردو نظم کے ارتقا کے تناظر میں رونما ہونے والے نئے منظر نامے پر میرا جی کے اثرات کا جائزہ خال خال ہی نظر آتا ہے۔ جب کہ مذکورہ بالا تنقیدی رویّے سے صرفِ نظر کیا جائے تو ان کا فن بذاتِ خود بھی ایک ایسی ناگزیر حقیقت نظر آتا ہے جس کی تفہیم کے بغیر اردو نظم کی تنقیدی تاریخ نامکمل نظر آتی ہے۔ جمیل جالبی کے بقول:

> ’’آج جو ہمارا نیا شاعر زبان و بیان، طرز و اسلوب، اور نئی ہیئت کو اعتماد کے ساتھ استعمال کر رہا ہے اس میں میرا جی کا کتنا حصہ ہے؟ اس بات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے گھنے جنگلوں، دلدلوں اور کھائیوں میں نیا راستہ بنایا ہے(۱)۔‘‘

میرا جی ذہنی لحاظ سے مغرب کے جدید علوم سے متاثر تھے۔ لیکن ان کی فکری جڑیں قدیم ہندوستانی تہذیب

میں پیوست نظر آتی ہیں۔ مشرق اور مغرب کے اس دلچسپ امتزاج نے ان کی شخصیت کے گرد ایک پر اسرار جال سا بن دیا تھا چنانچہ ان کے قریب آنے والا ان کے سحر میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور پھر ساری عمر اس سے نکلنے کی راہ نہیں پاتا۔ دور سے نظارہ کرنے والے ان کی ظاہری ہیئت، بے ترتیبی اور آزادروی پر حیرت زدہ ہوتے ہیں لیکن ان کی تخلیقات سے حظ اٹھانے والا فکر وفن کی نیرنگیوں میں گم ہو کر زندگی کے بہت سے سر بستہ راز جان لیتا ہے۔ میرا جی داخل سے خارج کا نظارہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی نظموں میں اجتماعیت کا عنصر نظر نہیں آتا۔ میرا جی کی شخصیت اور ان کے فن کے اس وصف کی وضاحت کرتے ہوئے کوثر مظہری لکھتے ہیں:

> ''اگر چہ میرا جی سماجی شعور رکھتے تھے مگر وہ سماج سے گہری وابستگی نہیں رکھتے تھے۔ ایک طرح سے وہ معاشرے سے کٹے ہوئے انسان تھے۔ معاشرے سے جب فرد اپنا رشتہ منقطع کر لیتا ہے تو اس کی زندگی بے سمتی کا شکار ہو جاتی ہے۔ میرا جی تا عمر اپنی ذات کے خول سے باہر نہیں آ سکے۔ ان کی نظموں میں اس لیے اجتماعی احساس کا فقدان ہے(۲)۔''

زندگی کی طرح شاعری میں بھی میرا جی کے کئی روپ ہیں۔ روایت کے مطابق ایک بنگالن میرا سین کے عشق نے انھیں ثناء اللہ سے میرا جی بنا دیا۔ بعد ازاں بھی کئی ناکام عشق ان کی زیست کا حصہ بنے البتہ یاسیت اور محرومی کے باوجود ان کی تخلیقی توانائیاں اپنے جوبن پر نظر آتی ہیں۔ انھوں نے ایک بڑے فنکار کی طرح زندگی کے کھردرے رویوں سے رس حاصل کیا جس کا حاصل ان کے ادبی سرمائے کی شکل میں آج ہمارے سامنے ہے گویا عشق کی ناکامی نے بھی ان کی شخصیت کی تکمیل میں اپنا کردار ادا کیا۔ انگریزی ادبیات اور بالخصوص نفسیات کے گہرے مطالعے کی وجہ سے ان کی شخصیت کا مبہم رویہ مزید پیچیدگی اختیار کر گیا اور اس طرح میرا جی اشارت پسندوں کے لیے قابلِ تقلید نمونہ بن گئے۔ اردو شاعری میں اس سے قبل بھی علامتی اظہار کے توانا مظاہر نظر آتے ہیں البتہ ڈاکٹر سرور احمد کے بقول:

> ''میرا جی کی اشاریت نئی تھی اور اس سے قبل بھی اردو کی شاعری میں نئی علامتوں کا استعمال ہوا لیکن ان کے یہاں علامتی اظہار کے نئے تجربے ملتے ہیں(۳)۔''

بعض نظموں میں یہ اشاریت ابہام تک جا پہنچتی ہے جس کے باعث سخن فہمی ایک کارِ عبث ہو کر رہ جاتی ہے۔ کلام کے اس وصف نے میرا جی کو ایک معمہ بنا کر پیش کیا ہے۔ انھوں نے ایسی اجنبی علامتوں اور اشاروں کا استعمال کیا جو عام طور پر ناموس سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً محبوبہ کے رخسار پر پھیلے ہوئے کاجل کو کوّا کہنے کی طرز انہی سے منسوب کی جا سکتی ہے کیوں کہ بقول شخصے اتنی دور کی کوڑی لانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں! میرا جی کا یہ مبہم انداز کسی نہ کسی انداز میں ان کے تمام شعری سرمائے پر محیط نظر آتا ہے لہٰذا شاعر اور قاری کے درمیان تفہیم کا رشتہ اکثر ایک صلائے عام بن

کے رہ جاتا ہے مگر میراجی نے کبھی اس کی پروا نہیں کی اور جرات مندی سے اپنے تجربات جاری رکھے۔ ناصر عباس نیّر کے الفاظ میں:

''میراجی دوسروں کی آراء کے سلسلے میں حساس ضرور تھے، فکر مند نہیں تھے (۴)۔''

میراجی کی علامتی شاعری کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے ذہنی ارتقا کے محرکات کو مدِ نظر رکھا جائے جب تک قاری میراجی کے ذہنی پس منظر اور اس سے پیدا ہونے والے مخصوص رجحانات کو نہ سمجھ لے میراجی کی علامتوں کو سمجھنا مشکل ہوگا۔ میراجی نے اردو نظم کو دھیمی آنچ پر کسی قدر مجرد انداز میں تخلیقی عمل سے گزارا۔ انھوں نے زندگی کے مکمل اور منطقی تصور کی بجائے رمز اور اجنبی تراکیب کو اظہار کا وسیلہ بنایا لہٰذا ان کا بیشتر کلام انھیں علامتوں اور استعاروں کے دبیز غلاف میں لپٹا نظر آتا ہے۔ کلام کا یہ رنگ ایک عام قاری کے لیے کسی قدر الجھن کا باعث ہو سکتا ہے نیز یہ تسلیم کرنے میں بھی قباحت نہیں کہ یہ طرز ہماری شعری روایت سے انحراف ہے البتہ دنیا کا بڑا ادب اسی نوعیت کے انحراف کا مرہونِ منت نظر آتا ہے۔ میراجی کی فکری ندرت کی وضاحت کرتے ہوئے شافع قدوائی لکھتے ہیں:

''میراجی کی نظم موضوع اور اسلوب ہر دو سطح پر مروجہ نظم سے نقطۂ انحراف کی بہترین مثال ہے۔ میراجی نے باور کروایا کہ نظم کی حیثیت ایک عضویاتی کل یا نامیاتی وحدت کی ہے۔ اور نظم محض مرکزی احساس کے بیان سے عبارت نہیں ہے بلکہ اس کا بنیادی تفاعل خارجی استدلال کا استرداد اور ذہنی ردِ عمل کا اظہار ہے (۵)۔''

میراجی کی نظموں میں معنی کی مختلف جہات قوس کی طرح ہفت رنگ ہو کر ایک وحدت اختیار کرتی ہیں لیکن کہر کے باعث اس منظر سے لطف اندوز ہونے کا خواب بالعموم خام ہی رہتا ہے۔ شعری سطح پر ابہام کا پردہ سا پڑا رہتا ہے البتہ چلمن کی اوٹ سے ان منتشر افکار میں ایسا خالی انسان موجود ہے جس کی نظروں میں خلا کی نامعلوم وسعتیں ہیں اور اس کا دل اپنی دھرتی کی روایات میں کہیں گم ہے میراجی کی تمام تر شاعری دراصل اس مٹی میں گم ہونے کی آرزو ہے۔ انھیں نکات کو سامنے رکھتے ہوئے وزیر آغا لکھتے ہیں:

''میراجی اردو نظم میں داخلیت کا ایک اہم علم بردار ہے (۶)۔''

میراجی کے کلام کی ایک جہت گیت نگاری ہے۔ موسیقی سے انھیں قلبی لگاؤ تھا اور ساتھ ساتھ فنی واقفیت بھی تھی۔ اس لیے ان کے گیتوں میں بڑی مٹھاس اور رسیلہ پن ہے۔ اس حوالے سے خود میراجی لکھتے ہیں:

''کتابی ڈراموں کی طرح یہ گیت کتابی نہیں بلکہ گانے کے لیے ہیں اور اس وجہ سے فن شعر کے کٹر پرستاروں کو ان میں بعض باتیں غیر مانوس معلوم ہوں لیکن موسیقی شعر سے کہیں بڑھ کے سخت اصولوں کی پابند ہوتے ہوئے بھی ایک بے ساختہ فن ہے (۷)۔''

میراجی گیتوں کے مزاج آشنا تھے انھوں نے تخیل کی بانہوں سے ایسے پیکر تراشے کہ قاری بھی خوابوں کے اس شہر میں گم ہونے کو بے قرار ہو جائے۔ میراجی نے گیت نگاری میں بھی اجتہاد سے کام لیا اگرچہ ان کے گیت روایت سے ہم آغوش نظر آتے ہیں پھر بھی ان کی طرزنئی اور تازہ معلوم ہوتی ہے جس کے اثرات ہمیں ان کے ہم عصر شعرا میں بھی نظر آتے ہیں۔ میراجی نے اپنی انوکھی شخصیت، تخلیقی صلاحیت اور تنقیدی بصیرت سے ایک بڑے طبقے کو متاثر کیا۔ اپنی تمام ترکج ادائیوں کے باوجود انھیں تاریخی اہمیت حاصل رہے گی۔ بقول ڈاکٹر قیصر جہاں:

> ''میراجی اردو گیت کے وہ باشعور فنکار ہیں جنھوں نے صرف گیت ہی نہیں لکھے بلکہ جن کے سامنے گیت کا ایک واضح تصور بھی رہا۔ وہ گیت کی خصوصیات، مزاج اور ارتقائی منزلوں سے پوری طرح واقف ہیں۔ ان کے نزدیک گیت اولین صنف شاعری ہے جو تنہائی مٹانے کا ذریعہ ہے اور جو دکھ درد کا مداوا ہے (۸)۔''

میراجی نے غزلیں بھی کہیں اور اس ضمن میں میرؔ کے احساس کو اپنانے کی کوشش بھی کی۔ داخلی طور پر وہ میرؔ کی آشفتہ سری سے بہت قریب نظر آتے ہیں۔ طالبِ علمی کے زمانے میں ہونے والا عشق تا حیات ان کے لیے محرومی اور نامرادی کا باعث رہا نیز اقتصادی محرومیوں نے بھی ان کی زندگی کو شدید متاثر کیا چنانچہ انھوں نے شاعری میں پناہ لی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ میراجی نے طبیعت بھی غم انگیز قسم کی پائی تھی۔ میراجی کی غزل میں بھی گیت جیسا لوچ اور نظم جیسا تاثر پایا جاتا ہے۔ گویا انھوں نے اپنی شاعری سے مشرق کے روحانی احساس اور فلسفے کو تخلیقی سطح پر پیش کیا۔ ان منفرد خصوصیات کی وجہ سے اردو شاعری میں میراجی کو ایک مجدد کی سی حیثیت حاصل ہے۔ حمید نسیم اسی انفرادیت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میراجی اپنے دور کا اہم شاعر ہے۔ راشدؔ اور فیضؔ کا ہم عصر اور ایک نئے دبستان کا بانی! اس کا موضوع انسان کا ظاہر نہیں باطن ہے۔ انسان کی وہ شعوری اور تحت الشعوری کیفیات جو اس کے فکر و عمل کے پیچھے کارفرما ہوتی ہیں اس نے اس کے عمیق جذباتی اور فکری تجربوں کے اظہار کے لیے نئی زبان، نئی علامتیں، نئی اصطلاحیں اور نئے کردار وضع کرنے کی کوشش کی (۹)۔''

میراجی ہر قسم کی پابندیوں سے نالاں نظر آتے ہیں چاہے وہ کاروبارِ زیست ہو یا ادبی معاملات ہر دو جگہ انھوں نے روایتی بیانیے سے انحراف کیا ہے۔ مزاج کی اسی اپچ کے باعث ان کا طبعی میلان غزل کی جانب نظر نہیں آتا۔ کلیات میں شامل غزلوں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ نیز موضوعی اعتبار سے ان کا جائزہ لیا جائے تو یہ میراجی کی نظموں اور گیتوں کی ایک توسیع ہی معلوم ہوتی ہے شافع قدوائی کے بقول:

''میراجی کی غزلیں، ان کی نظموں اور گیتوں کے علی الرغم کسی نئے تخلیقی امکان یا نئے شعری محاورے کی تشکیل کا پتہ تو نہیں دیتیں، البتہ ان کی ان کی بعض غزلیں ان کی نظموں کی توسیع کی صورت میں سامنے آتی ہیں اور قاری کو احساس کے ایک نئے منطقے سے روشناس کراتی ہیں (۱۰)۔''

میراجی کی شاعری جس زمانے میں معروف ہوئی اس وقت ترقی پسند تحریک نے شاعری کا رخ واضح مقصدیت کی طرف موڑ دیا تھا۔ میراجی نے چڑھتے سورج کی پوجا کرنے کی بجائے اپنی ذات کے نہاں خانوں سے پھوٹتی حسرت و یاس کی مدھم روشنی میں اپنا راستہ تلاش کرنے کی سعی کی۔ میراجی کی شعری تخلیق میں لاشعوری کیفیات اور ان سے پیدا ہونے والی علامتیں شعری اظہار کا وسیلہ بنی۔ میراجی کے یہاں خارجی زندگی کا بھی بھرپور احساس ہے ان کا عہد پر آشوب تھا۔ دوسری جنگ عظم کے دوران ہونے والی تباہ کاریوں نے جو سماجی رویے تشکیل دیے وہ بھی میرا جی کے شعور کا حصہ ہیں مگر اس احساس کو پیش کرتے ہوئے ان کے خارجی ردعمل سے پیدا ہونے والے جذبات اور ان کی نوعیتیں ترقی پسندوں سے بالکل مختلف ہیں میراجی کا سماجی شعور ان کے اپنے تجربات کا شعور ہے جو ان کی ذات کا جزو بن کر تخلیق میں ظاہر ہوتا ہے۔ میراجی کے اس منفرد داخلی رنگ کی وضاحت کرتے ہوئے شاد امرتسری لکھتے ہیں:

''میراجی کی شاعری اس کی اپنی ذہنی الجھنوں کی تخلیق ہوتے ہوئے بھی ہمہ گیر تاثرات کی حامل ہے۔۔۔۔ مانا کہ میراجی نے ان گتھیوں کو سلجھانے ی کوشش نہیں کی مگر اس الجھاؤ میں جو دلکشی اور خوبصورتی ہے اس کی جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے۔''(۱۱)

میراجی کے تراجم بھی ان کی شخصیت کا ایک انوکھا روپ ہیں۔ ان کی تخلیقات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بازی گر تھے اور تاحیات اپنے تماش بینوں کو دھوکہ دیتے رہے۔ ان کا ظاہر اور باطن دو الگ خانوں میں بٹا ہوا نظر آتا ہے۔ انھوں نے دنیا میں بولی جانے والی زبانوں کے ادب عالیہ کا مطالعہ انگریزی زبان کے توسط سے کیا مطالعے کی اس نیرنگی نے ان کے وژن پر خاطر خواہ اثرات مرتب کیے۔ انھوں نے ادب عالیہ کے عالمی تناظر سے حظ اٹھایا بلکہ انھیں اردو کا قالب عطا کر کے اپنے قارئین کے سامنے بھی پیش کیا۔ فیض احمد فیضؔ ان تراجم کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ تحریریں اہم علمی، تحقیقی اور تاریخی دستاویز ہی نہیں، ایک گراں قدر تخلیقی کارنامہ بھی ہیں۔ ان کے توسط سے میراجی نے جس انداز سے ادبِ عالم کے حسین نمونے ہم تک پہنچائے وہ محض ترجمہ نہیں ایجاد ہیں ان کی تخلیق سے اردو ادب میں بدیسی ادب کے معروف شاہپاروں کا اضافہ ہی نہیں ہوا بلکہ ہمارے ہم عصر ادیبوں کے فکر و احساس کی

تربیت بھی ہوئی، کچھ نئی شمعیں بھی جلی، کچھ نئے راستے بھی دکھائی دیئے (۱۲)۔"

میراجی کے فکر وفن کے حوالے سے یہ کچھ معروضات تھے جو میراجی کی شخصیت کی پیچیدگی اور فن کے جملہ محرکات کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔ اگر سمت درست ہو تو اس نوع کے مطالعے اور ان کا بین العلومی تنوع، یقیناً ادب کے طالب علموں کے لیے تفہیم کے نئے امکانات کا در وا کرنے میں معاون ہوسکتا ہے نیز اپنے اسلاف کی علمی اور ادبی جہتوں کے مثبت رویوں کا ادراک بھی ہر زمانے میں ایک تعمیری پیش قدمی معلوم ہوتی ہے جسے مقدم رکھنا چاہیے۔

حواشی:

(۱) جمیل جالبی، ڈاکٹر، کلیاتِ میراجی کے بارے میں، مشمولہ کلیاتِ میراجی، (لندن: اردو مرکز، ۱۹۸۸ء)، ص ۲۹۔

(۲) کوثر مظہری، جدید نظم: حالیؔ سے میراجی تک، (دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۸ء)، ص ۸۷۳۔

(۳) سرور احمد، ڈاکٹر، اردو اور ہندی رومانوی شاعری میں علامتوں کا مطالعہ، (دہلی: معیار پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء)، ص ۱۱۴۔

(۴) ناصر عباس نیرّ، ڈاکٹر، اس کو اک شخص سمجھنا تو ممکن ہی نہیں، (کراچی: آکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۷ء)، ص ۱۵۔

(۵) شافع قدوائی، میراجی، (دہلی: ساہتہ اکیڈمی، ۲۰۰۱ء)، ص ۳۶۔

(۶) وزیر آغا، اردو شاعری کا مزاج، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۴ء)، ص ۴۴۵۔

(۷) میراجی، میراجی کے گیت، (لاہور: مکتبہ اردو، س ن)، ص ۶۔

(۸) قیصر جہاں، ڈاکٹر، اردو گیت، (دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۵۸۔

(۹) حمید نسیم، ناممکن کی جستجو، مشمولہ ماہنامہ "علامت" (لاہور، شمارہ جون ۱۹۹۰ء)، ص ۴۔

(۱۰) شافع قدوائی، محولہ بالا، ص ۳۶۔

(۱۱) شاد امرتسری، میراجی، مشمولہ، ادب لطیف، (لاہور، شمارہ مارچ ۱۹۶۸ء)، ص ۱۴۔

(۱۲) فیض احمد فیض، میراجی کا فن، مشمولہ، مشرق و مغرب کے نغمے، (لاہور: اکادمی پنجاب، ۱۹۵۸ء)، ص ۷۔

مآخذ:

۱- آغا، وزیر، اردو شاعری کا مزاج، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۴ء۔

۲- احمد، سرور، ڈاکٹر، اردو اور ہندی رومانوی شاعری میں علامتوں کا مطالعہ، دہلی: معیار پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء۔

۳- امرتسری، شاد، میراجی، مشمولہ، ادب لطیف، لاہور، شمارہ مارچ ۱۹۶۸ء۔

۴- جالبی، جمیل، ڈاکٹر، کلیاتِ میراجی کے بارے میں، مشمولہ کلیاتِ میراجی، لندن: اردو مرکز، ۱۹۸۸ء۔

۵- جہاں، قیصر، ڈاکٹر، اردو گیت، دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۷ء۔

۶- قدوائی، شافع، میراجی، دہلی: ساہتیہ اکیڈمی، ۲۰۰۱ء۔

۷- مظہری، کوثر، جدید نظم: حالیؔ سے میراجی تک، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۸ء۔

۸- میراجی، میراجی کے گیت، لاہور: مکتبہ اردو، س ن۔

۹- میراجی، مشرق و مغرب کے نغمے، لاہور: اکادمی پنجاب، ۱۹۵۸ء۔

۱۰- نسیم، حمید، ناممکن کی جستجو، مشمولہ ماہنامہ "علامت" لاہور، شمارہ جون ۱۹۹۰ء۔

۱۱- نیّر، ناصر عباس، ڈاکٹر، اس کو اک شخص سمجھنا تو ممکن ہی نہیں، کراچی: آکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۷ء۔